اخلاقی اقدار اور اُمتِ مسلمہ
(سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں)

ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل*

آج دنیا کو جس بحران کا سامنا ہے وہ معاشی یا سیاسی نہیں، تہذیبی بحران ہے۔ اگر چہ تہذیبی کشمکش تاریخ انسانی کا مستقل مسئلہ رہا ہے۔ اور اس مسئلے کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق اللہ اپنے نبی اور رسول بھیجتا رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اللّٰہ یصطفی من الملئکۃ رسلاً ومن الناس ان اللّٰہ سمیعٌ بصیر﴾(۱)
حضور اکرم ﷺ کی آمد کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا تو اس بحران اور کشمکش میں حضور ﷺ کی امت راہنمائی کے منصب پر فائز ہوئی۔

﴿کنتم خیر امۃ اخرجت للناس......الخ﴾(۲)

اخرجت للناس کا اعزاز دلالت کر رہا ہے کہ اس امت کی ذمہ داری ایک نسل، ایک مسلک یا ایک علاقہ نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے گویا کہ؛ ''لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا''

چنانچہ قیادت اور راہنمائی کے منصب پر فائز اس امت کو توحید کا پرچم سر بلند کرنا ہے تاہم یہ قابل ذکر امر ہے کہ توحید کے پرچم کی سر بلندی سے بھی پہلے عقیدۂ رسالت کا اقرار اور یقین لازم ہے کیونکہ توحید وہی قابل قبول ہے جس پر رسالت کی تصدیق ہو۔

﴿و ماآتکم الرسول فخذوہ و مانھکم عنہ فانتھوا و اتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب﴾(۳)

اس تناظر میں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ کامل کو امت کے لیے راہنما بنایا گیا۔

﴿لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ لمن کان یرجوا اللّٰہ والیوم الاخر و ذکر اللّٰہ کثیرا﴾(٤)

کیا یہ اسوۂ کامل محض ایک انفرادی زندگی ہے جس کے گرد نور اور تقدس کا ایک ہالہ ہو یا اس امت کی عملی راہنمائی کے لیے کچھ سرمایہ حیات بھی اس زندگی سے مل سکتا ہے جس کو حرزِ جاں بنا کر امت فی الواقع تہذیبی غلبہ بھی حاصل کرے اور انسانیت کی رہبری بھی کرے؟ جناب نعیم صدیقی کے الفاظ میں وہ مقدس زندگی مجرد ایک فرد کی سوانح نہیں ہے بلکہ وہ عظیم ترین تہذیبی تحریک کی آئینہ دار ہے۔ اسی کے واسطے سے ہم قرآن کا ترجمہ عمل کی زبان میں پڑھ سکتے ہیں۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

بلاشبہ یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے الفاظ ''کان خلقه القرآن'' کی وضاحت ہے۔ ایمان بالرسالت کی وضاحت کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اُمت کی ذمہ داری بیان کرتے ہیں۔

''اس علم کے بعد دوسرا علم آپ کو کلمہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوگئی تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی آپ کو خود بخود معلوم ہوگئی کہ اللہ کے رسول نے دنیا کی کھیتی میں کانٹوں اور زہریلے پھلوں کی بجائے پھولوں اور میٹھے پھلوں کا باغ لگانا جس طرح سکھایا ہے اسی طرح آپ کو باغ لگانا چاہیے۔'' (۵)

حضور اکرم ﷺ دنیا کی حقیقت کو بے نقاب کرنے اور آخرت کی حقیقی منزل کی طرف متوجہ کرنے کے لیے تشریف لائے۔ ترسیٹھ برس پر محیط آپ کی زندگی شہادت دے رہی ہے کہ ایک طرف تو آپ نے اس دنیا کو دھوکہ اور متاع غرور قرار دیا مگر دوسری طرف اسی کو ترک کرنے کی بجائے اسی مہلتِ عمل کو اپنے حسنِ عمل اور اخلاقِ کریمانہ سے توازن، عدل، مساوات، آزادی، اخلاص، محبت، فاتح عالم اور خدمتِ انسانیت کے پھول عطا کیے جس کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ ﴿انك لعلى خلق عظيم﴾ (٦)

قرآن مجید کی اس عظیم الشان شہادت سے پہلے آپ کی شریک حیات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے پہلی وحی کے نزول کے فوراً بعد جن الفاظ میں آپ کو تسلی دی ہے وہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا بنیادی جوہر قرار پاتے ہیں۔ حضرت خدیجہ نے فرمایا۔ بخدا آپ کو اللہ رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔ (۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانیت کا نجات دہندہ اور محسن بنا کر مبعوث کیا چنانچہ آپ کی حیات مبارکہ سے عقیدہ، عبادات، معاملات، تبلیغ، جہاد حتیٰ کہ زندگی کے ہر شعبے میں راہنمائی ملتی ہے مگر آپ کی حیات مبارکہ کے ستر فیصد (70%) سے زائد برسوں میں آپ نے نہ تو عقیدے کا اظہار کیا نہ عبادت کی دعوت دی، نہ تبلیغ کی اور نہ ہی قرآن کی اشاعت کی، نہ جہاد کیا اور نہ ہی اپنی رسالت کا اعلان کیا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی آخر الزماں کی حیاتِ مبارکہ کا دو تہائی سے بھی زائد سرمایہ کہاں خرچ ہوا۔ اسی سلسلے میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ حضورؐ سے بڑھ کر کوئی کارنامہ کسی نے سرانجام نہیں دیا تو کیا آپ نے عقیدے کے اظہار اور اعلان سے پہلے انسانی و مالی وسائل جمع کیے۔ ان دونوں سوالوں کا جواب سیرت سے حاصل کیا جائے تو اللہ کی شانِ بے نیازی عجیب انداز میں سامنے آتی ہے۔ آپ کی زندگی کے پہلے سات سال کی چند جھلکیاں درج ذیل شہادت دے رہی ہیں۔

☆ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد وفات پا گئے تھے۔

☆ ٦ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ حضرت آمنہ انتقال فرما گئیں۔

☆ آپ کے دادا اور سردارِ مکہ عبدالمطلب نے یتیم پوتے کے سر پر محبت و شفقت کا ہاتھ رکھا تو شانِ حمدیت کا اظہار کرتے ہوئے رب ذوالجلال نے عبدالمطلب کو بھی اپنے پاس بلا لیا جب کہ آپ کی عمر مبارک صرف ۸ سال تھی۔

☆ دادا کے بعد آپ کی پرورش کی ذمہ داری چچا ابو طالب نے اٹھائی۔ اسی ضمن میں سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب ''النبی الخاتم'' میں لکھا ہے کہ ''ابو طالب غریب تھے، حضورﷺ نے ان کی مالی اعانت کے لیے مکہ والوں کی بکریاں چرائیں۔'' (۸)

☆ نوجوانی میں حضورﷺ نے عملی زندگی کا آغاز تجارت کے پیشے سے کیا بلاشبہ اس سے تجارت کو دیگر پیشوں پر فضیلت حاصل ہوگئی۔ مگر مالی وسائل کتنے تھے مال تو مکہ کی حیادار تاجرہ حضرت خدیجہؓ کا تھا جبکہ محنت حضورﷺ کی۔ (۹)

☆ آپ کی حیات طیبہ کے قبل از نبوت ۴۰ سال گواہ ہیں کہ نہ تو حضورﷺ کا کوئی حقیقی بھائی تھا، نہ ہی حقیقی بہن۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف اپنے رسولِ رحمت کو ایک عظیم الشان دستورِ حیات اور تہذیبی انقلاب کی طرف بڑھا رہا تھا، تو دوسری طرف انسانی وسائل و مالی وسائل سے محروم ہی کرتا چلا جارہا تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ کی عمر مبارک ۳۵ برس سے زائد ہوئی تو سماج سے بھی دوری پیدا ہوتی چلی گئی، غارحرا مکہ کی تمدنی زندگی سے ذرا فاصلے پر آپ کی خلوت کے نور سے جگمگانے لگی۔ (۱۰)

زمانہ قبل از نبوت کے چالیس سالوں کے اس مختصر جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ حضورﷺ کا کل سرمایہ اور وسائل آپ کا اخلاقِ کریمانہ تھا۔ جس کی گواہی حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی کے عظیم الشان واقعے کی تصدیق کرتے ہوئے دی تھی، جس سرمایے سے آپ رحمۃ للعالمین قرار پاتے ہیں۔ اسی سرمایے سے آپ نے انسانیت کو عزت اور شرف کی راہ پر گامزن کیا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے الفاظ میں ''ہاں رحمۃ اللعالمین وہی ہے جو یہودیوں کی طرح نذر و قبولیت کے واسطے نبی لاوی کا واسطہ ضروری نہیں ٹھہراتا۔ جو کاتھلوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کرتا۔ جو روح کو سرگ یا نرگ میں دھکیل دینے کی طاقت صرف برہمنوں ہی کو عطا نہیں کرتا۔ جو خاص رقبہ کے باشندوں کو آسمانی بادشاہت کے فرزند نہیں ٹھہراتا۔ جو نسلِ واحد کے افراد ہی کو خدا کی برگزیدہ قوم نہیں قرار دیتا۔ جو یہودیوں، عیسائیوں، زردشتوں، برہموں، جینیوں اور لاماؤں کی طرح اپنے سوا باقی سب پر رحمت و افضال کے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

ہاں رحمۃ اللعالمین وہی ہے جو بندہ کو خدا کی حضوری تک لے جاتا اور اسے ''ادعونی استجب لکم'' کی قدسی آواز سے آشنا بناتا ہے اور خدا و بندہ کے درمیان کسی تیسرے کے لیے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑتا۔ (۱۱)

حضورﷺ کی اعلیٰ و ارفع زندگی کا اولین اور بنیادی سرمایہ آپکا اخلاق کریمانہ ہے جس کے نور کی ہر کرن تمام

انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اسوہ کامل میں اخلاقی اقدار اور سرمایے سے زندگی کے آخری لمحے تک فیض یاب ہونے والے مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ آپ نے جس عقیدے کا اظہار کیا۔ اس کی طرف دعوت دینے یا اس کا اظہار کرنے سے پہلے آپ نے اپنے اخلاقِ کریمانہ کے سرمایے کو مخاطبین کے سامنے پیش کر کے تبلیغ اور دعوت و ارشاد کا زریں اصول بھی عطا کیا اور قوموں کے انقلاب کی داستان میں اخلاق کی اہمیت کو بھی واضح کیا۔ قرآن نے ﴿فاصدع بما تؤ مروا عرض عن المشركين﴾ (۱۲) کی ذمہ داری ڈالی۔ آپ کوہِ صفا پر اعلانیہ دعوت اسلام کے فریضے کی ادائیگی کے لیے مکہ کے عوام کے سامنے کھڑے ہوئے تو وہ کلمہ جو ساری کائنات سے وزنی ہے، (۱۳) پیش کرنے سے قبل آپ نے بلند آواز سے پوچھا اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آرہی ہے تو تم مجھ پر اعتماد کرو گے؟ اس سوال کے جواب میں ہی مکہ والوں نے آپ کے صادق اور امین ہونے کی گواہی دی چنانچہ اس اخلاقی سرمایے اور ساکھ کی شہادت حاصل کرنے کے بعد آپ نے کلمۂ توحید پیش فرمایا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دین اور مذہب میں عقیدہ اہم ہوتا ہے مگر سیرت پاک کا مطالعہ بتاتا ہے کہ عقیدے کو پیش کرنے کے لیے اخلاقی سرمایے کا ہونا ہی کارِ نبوت کا اصل زادِ راہ ہے جس سے تہی دامن ہو کر عقیدے کے فروغ اور اشاعت کی کاوشیں بارآور نہیں ہو پاتیں۔

حضور اکرم ﷺ اعلان نبوت سے قبل اپنی اخلاقی ساکھ اور سیرت و کردار کی بنیاد پر مکہ والوں کے لیے نہ صرف ہر دلعزیز تھے بلکہ ان کے باہمی تنازعات میں ثالث بھی قرار پائے جیسا کہ تعمیر کعبہ کے موقع پر فساد کا اندیشہ پیدا ہوا تو مکہ والوں نے آپ کو فیصلے کی ذمہ داری سونپی۔ (۱۴)

لہٰذا یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضور ﷺ اعلان نبوت کے لیے مالی و انسانی وسائل سے بالاتر ہو کر تن تنہا اپنی اخلاقی ساکھ کے ساتھ دعوة و ارشاد کے میدان میں اترے اور جب اس شاہراہ پر قدم رکھا تو پھر غارِ حرا کی خلوتوں میں دوبارہ جلوہ گر ہونے کی بجائے مکہ کے جاہلانہ معاشرے میں ہی اخلاق و کردار کی شمع جلائی، چنانچہ اسی سے ایک طرف تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ خاتم الانبیاء جیسی پاکیزہ صفات ہستی نے معاشرتی برائیوں سے نفرت کے ردعمل میں ترک دنیا کا فیصلہ نہیں کیا، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا رهبانية فى الاسلام"، (۱۵) تو دوسری طرف دعوتی جدو جہد کا یہ اصول بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام معاشرتی ربط و تعلق اور اجتماعیت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

جو مومن لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتا ہے، وہ اس مومن سے زیادہ اجر پائے گا جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں ہے اور ان کی ایذا رسانی پر اسے صبر نہیں کرنا پڑتا۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے،

ا۔ کھلے اور چھپے ہر حال میں اللہ سے ڈروں۔(١٦)

آج اگر اہل فکر و نظر عہد حاضر کے بحران کا حل مادی، سیاسی اور جمہوری معیارات اور نظاموں میں تلاش کرتے ہیں تو امت مسلمہ بھی ایک ارب چالیس کروڑ افرادی قوت کے باوجود مجموعی طور پر جمود اور فکری مغالطوں کا شکار ہے۔ منصب قیادت کے حصول کی جدو جہد تو در کنار، اس کی پیاس اور طلب سے بھی محروم بقول شاعر

مانگتے پھرتے ہیں اغیار سے مٹی کے چراغ

اپنے خورشید پر پھیلا دیے سائے ہم نے

کچھ لوگ اگر اسلام پسند قرار پا بھی رہے ہیں تو وہ اپنوں میں ہی اجنبی ہیں، حالانکہ نقش پائے مصطفیٰ سے ملنے والا جوہر اخلاق صرف امتِ محمد کریم ﷺ کو ہی نہیں پوری انسانیت کو فلاح سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ جس کے امین اور ترجمان مسلمان ہیں۔ چنانچہ عقیدہ، عبادات بے حد اہم سہی، اخلاق کریمانہ کے سرمایے کو یقین کی دولت کے ساتھ ترجیح بنانے کی ضرورت ہے۔ معروف مصری سکالر محمد قطب کے خیال میں:

''اسلام نے جو تربیت کا مثالی نمونہ مقرر کیا وہ خیالی، تصوراتی اور غیر حقیقی نہیں تھا، بلکہ اسلام کا نمونہ مثالی بالکل حقیقی اور واقعی تھا اور اسلام کے نظام تربیت نے اپنی تاریخ کے ہر دور میں اس کے بے شمار شواہد پیش کیے۔ اس لیے کہ اسلام انسان کی قدرت اور قوت کے مطابق اس سے مخاطب ہوتا ہے اور جس قدر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسان کو قدرتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، انہی کے مطابق اس کی رفعت اور ارتقاء کے مراحل متعین کیے ہیں۔''(١٧)

حضور اکرم ﷺ نے اپنی اخلاقی ساکھ اور روشن سیرت کے ساتھ جزیرۃ العرب سے جس انقلاب کا آغاز کیا، وہ آج کی امت کو حوصلہ دیتا ہے کہ مادی و انسانی وسائل کے ہونے کے باوجود اگر آج زوال کا شکار ہیں تو سیرتِ مصطفیٰ کریم کے اعلیٰ اخلاق سے غفلت اور بے اعتنائی کا رویہ ترک کر کے ہم آج بھی پست کو بالا کر سکتے ہیں۔ عہد حاضر کی امت، سیرت مصطفیٰ کریم کی تاثیر سے غافل ہے۔ جبکہ اسی عہد کی مستشرق کیرن آرم سٹرانگ تجزیہ کرنے پر مجبور ہے کہ نیا مذہب اسلام (اطاعت، تسلیم ورضا) کہلایا اور ایک مسلمان ایسا مرد یا عورت ہوتی تھی جس نے اللہ کے روبرو کامل اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لی ہو اور اللہ کے اس مطالبے کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا ہو کہ انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف، برابری اور ہمدردی کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ اس رویے کا اظہار عبادت (صلوٰۃ) کے رکوع و سجود میں ہوتا تھا جو مسلمانوں پر دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض تھی۔ پرانی قبائلی اخلاقیات، اجتماعی نوعیت کی تھی، عربوں نے بادشاہت کو تسلیم نہیں کیا تھا اور کسی غلام کی طرح زمین پر جھکنا ان کے لیے نفرت کے قابل اور ناپسندیدہ تھا۔ تاہم رکوع و سجود کو اس تکبر اور خود پرستی کا قلع قمع کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا جو مکہ میں تیزی سے فروغ

پارہی تھی۔ نماز نے مسلمانوں کو ازسرِنو تعلیم دی اور انہیں درس دیا کہ وہ اپنے غرور و تکبر اور خودغرضی کو ترک کر دیں اور اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ خدا کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآنی تعلیمات پر پورا اترنے کی غرض سے مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ اپنی آمدنی کو ایک باقاعدہ تناسب سے غریبوں کو زکوٰۃ کی صورت میں دیں، وہ خود کو ان غریبوں کی مفلسی و محرومی یاد دلانے کے لیے رمضان کے مہینے میں روزے رکھا کرتے تھے جو اپنی مرضی سے جب چاہیں کھا پی نہیں سکتے تھے۔ (۱۸)

حضور اکرم ﷺ کا عطا کردہ عقیدہ و عبادات انسانی زندگی کی تعمیر بلکہ حسنِ تعمیر کی بنیاد بنتا ہے جیسا کہ مطالعہ سیرت سے آپ کی قبل از نبوت زندگی کا اصل سرمایہ تعمیرِ شخصیت ہی ہے جس کی بشارت عیسائی دنیا کے الہامی لٹریچر کا حصہ ہے۔ ''وہ امین و صادق کہلاتا ہے اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے ماسوا کوئی نہیں جانتا۔ (۱۹)

نتائج بحث:

مختصر یہ کہ عالم اسلام میں عقیدہ اور عبادات کے فروغ کے لیے افراد، ادارے اور جماعتیں سرگرم عمل ہیں اور قابل قدر خدمات سرانجام دے رہی ہیں مگر سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کی ساکھ اس حد تک کمزور ہے کہ عالم اسلام اپنی ساکھ کی تائید و تصدیق کے لیے عالم کفر کی تصدیق اور تائید کا محتاج ہے۔ تعلیمی دنیا میں اس ڈگری کی قدر کی جاتی ہے جو کافرانہ مہر اور تصدیق کی حامل ہے۔ تجارتی دنیا میں عالم اسلام اپنی پیداوار کو بیچنے کے لیے معیار کی تصدیق مغربی اداروں سے کرواتا ہے، مسلمان اداروں میں باہمی اعتماد کی فضا ناپید ہے جبکہ مطالعہ سیرت حضور اکرم ﷺ کی شخصیت کے اخلاقی جوہر کی صورت میں وہ یقین عطا کرتا ہے جس سے اُمت کے زوال کو عروج سے بدلا جاسکتا ہے بشرطیکہ مسلمان نہ صرف تجارت اور دنیوی امور کو اپنی ترجیحات میں لائیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا پابند کریں۔

حوالہ جات

۱۔ آل عمران،۳:۱۱۰

۲۔ حشر،۵۹:۷

۳۔ احزاب،۳۳:۲۱

۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، خطبات، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۹، ص:۷۶

۵۔ مبارک پوری، مولانا صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، مکتبہ السّلفیہ، لاہور، ص:۹۹، ۱۹۷۶ء

۶۔ ابن ہشام، سیرت النبی لابن ہشام، مترجم، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، ۱۹۹۲ء، ۱۸۴

۷۔ ابن ہشام، سیرت النبی، ۱۸۵

۸۔ ایضاً، ۱۸۶

۹۔ ایضاً، ۲۱۲

۱۰۔ ایضاً، ۲۷۰

۱۱۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، جلد دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ص:۳۱۰۔۳۱۷

۱۲۔ الحجر:۹۴

۱۳۔ ابن القیم، زاد المعاد، مترجم، رئیس احمد جعفری ندوی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ۳/ ۳۸

۱۴۔ ھیکل، محمد حسین، سیرت محمد، الفیصل ناشران وتاجران کتب، مترجم محمد مسعود عبدہ، لاہور، ص:۱۵۵

۱۵۔ احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، جلد ۶، ۲۲۵۶

۱۶۔ خطیب، ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، مترجم، عبدالحلیم علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔س۔ن، حدیث رقم:۵۳۵۸، بحوالہ تفسیر القرطبی، ص:۳۴۶

۱۷۔ محمد قطب، (مترجم) ساجد الرحمٰن صدیقی، اسلام کا نظام تربیت، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۰، ص:۳۸۲

۱۸۔ کیرن آرم سٹرانگ، (مترجم) محمد احسن بٹ، نگارشات لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۴۱

۱۹۔ گیلانی، مناظر احسن، مکاشفہ یوحنا باب ۱۹۔۱۱، بحوالہ النبی خاتم ﷺ، ص:۴۰، دارالاشاعت کراچی